سزائے موت کیوں؟

محمد اسلم رسولپوری

سزائے موت کیوں؟

محمد اسلم رسولپوری

ہیومن رائٹس لاز چیمبر

ذوالفقار علی بھٹو

اور

حمید بلوچ کے نام

اگر سزائے موت کا قانون نہ ہوتا

تو عدالتوں کے ذریعے یہ المیے رونما نہ ہوتے

فہرست

"ایک دن گرمی کی شدت کے موسم میں ہائی کورٹ میں بجلی کی رو بند ہو گئی۔ میں اُس وقت مسٹر جسٹس آغا حیدر کے اجلاس میں پیش تھا۔ روشنی اور پنکھے بند ہو گئے۔ خس کی ٹیٹوں میں سے ہوا گزارنے والی مشین بھی بند ہو گئی اور شدید حبس ہونے لگی۔

مسٹر جسٹس آغا حیدر لحیم شحیم بھاری بھرکم پہلوان تھے۔ چند منٹوں میں بے چین ہو گئے۔ میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ بھی کوئی عدالت ہے۔ عمارت ایسی کہ گرمیوں میں شدید گرم اور سردیوں میں سخت سرد۔ یہاں کام کیسے ہو؟ اور یہاں انصاف کہاں ہے۔ تمہیں یاد ہے وہ عبداللہ والا کیس

میں اُن کے آخری فقرے کو سن کر ششدر رہ گیا۔ اُن کی واضح مراد تھی کہ عبداللہ کے کیس میں انصاف نہ ہوا تھا۔ یا اُسے ناحق پھانسی دے دی گئی تھی"(۱)

تحدیث نعمت از سر ظفر اللہ خان

نمبر ۱ لیکن باوجود اس احساس کے اس جج صاحب نے چیف جسٹس سر شادی لال کو Follow کرتے ہوئے عبداللہ کی سزائے موت کے نہ صرف اُس فیصلے میں شرکت کی تھی۔ بلکہ پھانسی کے وارنٹ پر بھی دستخط کئے تھے۔

ابتدائیہ

زندہ رہنے کا حق انسان کا پیدائشی، اٹل اور ناقابل تنسیخ حق ہے۔ اس بنیادی اور ذاتی حق کے خاتمے کے لئے قانون بنانے یا اُسے ختم کرنے کا اختیار دوسروں کو نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ حق انسان کو ریاست یا کسی قانون نے نہیں دیا۔ بلکہ یہ اُس کے انسان ہونے کے حوالے سے اپنے آپ موجود ہے۔ اس سلسلے میں قانون اور ریاست صرف اس حق کو تحفظ دیتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کی چارہ جوئی کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ انسان کا اپنا بنایا ہوا اور ہر وقت بدلتے رہنے والا قانون انسان کی اپنی ذات سے کبھی بالاتر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وہ انسان کے وجود کو ختم کرنے کا جواز بھی نہیں رکھتا۔

علاوہ ازیں ریاست جب انسان کے زندہ رہنے کے حق کی خلاف ورزی کرنے والے کو مجرم قرار دیتی ہے تو پھر وہ خود بھی اس سے بالاتر نہیں ہوسکتی اور یہ عذر نہیں لے سکتی کہ وہ ایک جرم کا ازالہ بالکل اُس جیسے دوسرے فعل سے کرے گی جسے وہ اپنے منشاء سے انصاف کا نام دیتی ہے۔

دراصل طاقتور لوگوں نے جب قوت کے زور پر ریاست کی بنیاد ڈالی۔ تو اپنے قدم جمانے اور اپنے مخالفین کو ختم کرنے کے لئے نت نئے حربے اختیار کئے اور ان میں سے ایک سزائے موت کے قوانین بھی تھے۔ جن پر عملدرآمد کے لئے اذیت ناک طریقے بھی ایجاد کئے گئے۔

اگر سزائے موت کے قوانین کی بنیادوں کا گہری نظر سے تجزیہ کیا جائے تو

یہ بات سامنے آتی ہے کہ ماضی میں ہمیشہ سزائے موت کے پس منظر میں مقتدر جابر قوتوں کا اپنا مفاد ہی پنہاں ہوتا تھا۔ وہ اپنی بالادستی کو قائم کرنے کے لئے لوگوں کو دبانے، اُنہیں دہشت زدہ کرنے اور اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لئے سزائے موت اور اس کے مختلف اذیت ناک طریقوں کا سہارا لیتے تھے تاکہ لوگ اُن کے اقتدار کو چیلنج نہ کریں۔ لیکن عام لوگوں کو گمراہ کر کے اس بات کا بھی یقین دلاتے تھے کہ جرائم کا خاتمہ صرف اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے۔ جب سزائیں کڑی ہوں اور اس طرح لوگوں سے اس بات کی تائید حاصل کرتے کہ ملک اور عوام کا مفاد انہیں کڑی سزاؤں کے نفاذ میں ہے۔

تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہوتا آتا ہے کہ ایک چیز مقتدر طبقے کے مفاد میں ہوتی ہے۔ مگر وہ اسے عوام کا مفاد قرار دے کر اس کا پراپیگنڈہ کرتے ہیں اور لوگ اس پراپیگنڈے کا شکار ہو کر اُسے اپنا مفاد سمجھنے لگتے ہیں۔ سزائے موت کے قوانین کے سلسلے میں بھی ایسا ہوا ہے۔

اگر سزائے موت کے پیچھے لوگوں کا مفاد ہوتا تو ان جرائم پر سزائے موت مقرر کرنے کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ جن کا تعلق براہ راست حکومت کے باغیوں یا مقتدر قوتوں کے اقتدار کو چیلنج کرنے سے ہے۔ تاریخ میں حکومت کے باغیوں کی سزا ہمیشہ موت رہی ہے۔ آج بھی ان جرائم پر یہی سزا پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے ہر ضابطہ تعزیرات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بہت سے ایسے جرائم جن کا تعلق عوام سے ہے پر سزائے موت مقرر نہیں رہی۔ کیونکہ ماضی میں مقتدر طبقے کو عوام کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر اس طبقے کے نزدیک عوام کا مفاد اولین

حیثیت رکھتا تو اُس سلسلے میں وہ معروف قانون دان سولن کی پیروی کرتے جس نے عوامی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے سزائے موت کے دیگر قوانین منسوخ کرتے ہوئے صرف جان کے بدلے جان کا قانون باقی رکھا۔

ماضی میں جب لوگ حکمرانوں کے احکامات ماننے سے انکار کرتے یا اُن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی زندگی آزادی سے گزارنے کا حق استعمال کرتے جس کا احساس اُنہیں پیدائشی طور پر ہوتا رہتا تھا۔ تو اس سے ناراض ہو کر حکمران برہم ہو جاتے اور جب صرف سادہ سزائے موت سے اُن کی تسکین نہ ہوتی تو وہ اس کے لئے اذیت ناک طریقے ایجاد کر کے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرتے۔ اگر یہ بات درست نہیں تو پھر سزائے موت دینے کے ان اذیت ناک طریقوں کے استعمال کا کیا جواز تھا۔ جن میں لوگوں کو زندہ آگ میں جلانا، زمین میں زندہ دفن کرنا، جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سولی پر چڑھانا، سلاخوں میں پرو کر دہکتے انگاروں پر بھونا، شکنجے میں کسنا، دریا میں زندہ ڈبونا، کتوں اور بھوکے شیروں کے آگے ڈالنا، بھاری بھرکم دیوار گرا کر ہلاک کرنا، مگرمچھ کو کھلانا اور مجرم کو میخیں ٹھونک کر سولی دینا وغیرہ شامل تھا۔

جنوبی ایشیاء کے آریائی مذاہب میں انسانی جان کے احترام کا ہر ممکن لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور کسی بھی جاندار کو مارنا مہاپاپ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں بھی مقتدر طبقہ عام طور پر وہی حربے استعمال کرتا رہا۔ چندر گپت موریہ کے مشیر چانکیہ اپنی کتاب ارتھ شاستر میں جگہ جگہ سزائے موت تجویز کرتا رہا۔ جن میں برہمنوں کے اقتدار کا تحفظ بھی شامل تھا۔ بدھ مت میں داخل ہونے سے قبل اشوک نے اقتدار کے لئے اپنے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اور ملکی توسیع

کے لئے کالنگا کی لڑائی میں ایک لاکھ انسان قتل کئے۔

اسلام جب جنوبی ایشیاء میں پہنچا تو وہ انسانی زندگی کے احترام کی مضبوط روایات اپنے ساتھ لایا۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں خصوصی طور پر انسانی جانوں کو ایک دوسرے پر حرام قرار دیا۔ اسلام میں جان کے بدلے جان کا قانون مشرق وسطیٰ کے قدیم مذہبی اور قانونی روایات کے عین مطابق تھا اور انسانی جان کے تحفظ کے لئے بنایا گیا تھا۔ تاہم اسلام کے نزدیک قاتل کے اراد میں اگر شبہ پیدا ہو جائے تو قصاص واجب نہیں ہو تا۔ بلکہ اسلام میں دیت کی روایت اور معاف کر دینے کی ترغیب نے انسانی جان کے احترام کے تصور کو اور مضبوط کیا۔ مگر جنوبی ایشیاء میں مقتدر مسلمان قوتوں نے اسلام کے اس نقطہ نظر کو سامنے نہ رکھا۔ جہانگیر جیسے عادل حکمران نے ایک بغاوت کو کچلنے کے بعد باغیوں کو دیوار کے ساتھ لگا کر تیروں سے چھلنی کرنے کا حکم دیا۔(۱) اور خود اس منظر سے محظوظ ہوتا رہا۔ اس طرح اقتدار کی لڑائی میں اورنگ زیب عالمگیر نے تخت کے حقیقی وارث اور اپنے بڑے عالم فاضل بھائی دارا شکوہ پر کفر کا فتویٰ لگا کر سزائے موت دی اور اس کے ساتھی سرمد شہید جیسے صوفی کو بھی دارا شکوہ کے ساتھ دوستی کی بناء پر اسی انجام سے دوچار کیا۔

انگریزوں نے جنوبی ایشیاء پر حکومت کے دوران قتل انسانی کے علاوہ دیگر جرائم پر سزائے موت کے قوانین اپنی حکومت کو مضبوط بنانے اور لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے بنائے۔ لارڈ میکالے نے تعزیرات ہند 1860ء کی

نمبر ۱ بہت سے بادشاہوں کے عہدوں میں قوانین نافذ ہی نہیں رہے۔ وہ جس شخص کے کسی عمل سے ناراض ہوتے تو اُسے سزائے موت دے دیتے۔

تیاری میں جرم کے خلاف دادرسی کا اختیار-MUHAMMADEN JURIS
PRUDENCE کے مطابق جرم سے متاثر فرد کی بجائے-ENG
LO-SEXON JURISPRUDENCE کے مطابق ریاست کو دے
دیا اور اس طرح ریاستی مفادات کے تحت بہت سے جرائم کو نا قابل راضی نامہ قرار
دے کر مستغیث کو سارے عمل سے باہر کر دیا اور یوں داد رسی کا پورا عمل
حکمرانوں کے منشاء کے تابع ہو گیا۔ اور اس طرح کم از کم فوجداری انصاف فرد
کے نزدیک واہمہ سائن کر رہ گیا۔ اس اجنبی حکومت نے اپنی انتظامی مصلحتوں کے
تحت مقتدر طبقے کے مقبول نظریے عبرت ناک سزا دینے کے اصول رائج کئے۔
اور یوں بھگت سنگھ جیسے محب وطن سیاسی کارکن اپنی سیاسی جدوجہد کی بناء پر
پھانسی چڑھ گئے۔

جنوبی ایشیاء کے ممالک نے آزادی کے بعد تعزیرات کے اس مجموعے کو
اپنالیا اور آزادی کے بعد بھی سزا کے فلسفے میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ جس کے نتیجے
میں ذوالفقار علی بھٹو اور حمید بلوچ اپنی سیاسی جدوجہد کی بناء پر حکمرانوں کے غیض
و غضب کا شکار ہو کر تختہ دار پر لٹک گئے۔ حالانکہ جنوبی ایشیاء کے ہر ملک کے
آئین میں دیا گیا حق زندگی ایسی سزاؤں کی نفی کرتا ہے۔ جیسا کہ اگست 1982ء
میں بھارت کے جسٹس پی۔ این، بھگوتی نے ایک فیصلے کے دوران اپنے اختلافی
نوٹ میں لکھا کہ سزائے موت آئین میں دئے گئے مساوات، زندہ رہنے (۱)
اور شخصی آزادی کے حق کے منافی ہے۔ اور انسانی شائستگی کے مروجہ معیار سے

نمبر ۱ پاکستان کے 1973ء آئین میں بھی یہ تمام حقوق موجود ہیں۔

مطابقت نہیں رکھتا۔ جب کہ دسمبر 1985ء کے ایک فیصلے میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے بر سر عام پھانسی کی سزا کو روکتے ہوئے کہا کہ ایک بہیمانہ فعل کا مقابلہ دوسرے بہیمانہ فعل سے نہیں کیا جانا چاہیے۔

سزائے موت کے قوانین شخصی اقتدار کے ادوار کی یادگار ہیں اور آج کے جمہوری دور میں ان کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ اب بھی اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کوئی طالع آزما جرنیل(۱) یا حکمران اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اس سزا کو مخالفین کو ختم کرنے کی کوشش میں استعمال کر سکتا ہے۔ جس سے بے گناہ سیاسی کارکن پھانسی چڑھ سکتے ہیں۔

آج ہم جمہوری دور میں جی رہے ہیں۔ پرانے ادوار کے شخصی اور منتقمانہ قوانین فرسودہ ہو کر اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ آج جنوبی ایشیاء کے انسان کو نئے شعور کے ساتھ نئے، منصفانہ اور جمہوری قوانین درکار ہیں۔ جو اس کے سر پر لٹکتے ہوئے سزائے موت کے غیر انسانی قوانین سے اسے نجات دلائیں۔ اور زندہ رہنے کا سچا اور پختہ یقین بخشیں تاکہ انسان ایک پرامن اور خوشحال معاشرے کی تعمیر کے لئے نئے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ جدوجہد کر سکے۔

محمد اسلم رسولپوری ایڈووکیٹ
جام پور ضلع راجن پور

نمبر ۱ جنرل محمد ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران بلوچستان کے حقوق کی جنگ لڑنے کے سلسلے میں بلوچ رہنماؤں کو مذاکرات کے بہانے پر گرفتار کر کے سزائے موت دی گئی۔ ان رہنماؤں میں میر نوروز خان، میر مستی خان، میر بہاول خان، میر بٹے خان، میر جمال خان، میر غلام رسول خان اور میر ولی محمد خان شامل تھے۔

”سزا معتدل بھی ہو۔ مگر یقینی ہو۔ تو اس کا اثر ہمیشہ زیادہ ہو گا۔
زیادہ سخت سزا کا اثر اتنا زیادہ نہ ہو گا۔ جس سے مجرم کو بچ نکلنے کی اُمید ہو۔
لوگ زیادہ تر اُس سزا سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ جس سے بچاؤ کا کوئی
امکان نہ ہو۔ اگر چہ اُس کی حیثیت معمولی ہو۔ اگر جرم کی سزا بہت سخت
ہو گی۔ تو لوگ مزید جرائم کا ارتکاب کریں گے۔ تا کہ اصل جرم کی سزا
سے بچ سکیں“

بکاریا

سزائے موت کیوں؟

پونے تین بجنے والے تھے۔ میں کورٹ روم کے دروازے پر ایک سیکنڈ کے لئے رکا۔ عدالت کے احترام میں سر کو جھٹکا دیا اور اندر چلا گیا۔ کرسیوں پر چند وکلاء اپنے مقدمات کے بلائے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہتھکڑی کے ساتھ ایک ملزم جج صاحب سے دور روسٹرم کے نیچے ہاتھ باندھے کھڑا کہہ رہا تھا کہ اُس پر یہ مقدمہ اس کے مخالف سیاسی گروپ نے قائم کرایا۔ کیونکہ وہ ان کے خلاف الیکشن لڑا تھا۔ جج صاحب بڑے مدھم، خوشگوار بلکہ کسی حد تک لطف اندوز ہونے والے انداز میں ملزم سے مختلف سوالات کرتے رہے۔

صوبدار ملزم جس کی عمر 65 سال کے لگ بھگ ہوگی۔ روہانسی آواز میں جواب دیتا رہا۔ اُس کی آواز اگرچہ کئی بار بھر آئی۔ لیکن وہ رویا نہیں۔ اس نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میں پانچ نمبر کی عینک لگاتا ہوں اور چلنے پھرنے کے پوری طرح قابل نہیں۔ اس عمر میں کیوں کسی شخص کا قتل کرتا۔

صوبدار ملزم (۱) پر اپنے سالے کو قتل کرنے کا الزام تھا۔ وہ ایک ریٹائرڈ ملازم تھا۔ ایڈیشنل سیشن جج (جام پور) نے بالکل اُسی مدھم، پر سکون اور جذبات سے عاری زبان میں کہا میں تمہیں سزائے موت کا حکم سناتا ہوں اور تیس ہزار روپے جرمانہ بھی کرتا ہوں۔ فیصلے کی نقل تمہیں تقسیم کر دی جائے گی۔

ملزم نے خاموشی کے ساتھ فیصلہ سنا، سپاہی نے ہتھکڑی کو جھٹکا دیا اور اُسے کسی پالتو جانور کی طرح پیچھے لے کر چل دیا۔ عدالت سے باہر موجود مجمع جو فیصلہ

نمبر 1 مقدمہ نمبر 77/94 جرم 302 ت پ تھانہ ہرند تحصیل جام پور ضلع راجن پور تاریخ فیصلہ 27-9-95

سننے کے لئے علاقہ ہڑند سے تیس چالیس میل کا فاصلہ طے کر کے آیا تھا نے کسی قسم کے جذبات کا اظہار نہ کیا۔ اُن میں سے کسی بھی شخص کے چہرے سے خوشی کا اظہار نہ ہو تا تھا۔ بلکہ تھکاوٹ کے سے انداز میں وہ اپنے قدم گھسیٹتے ہوئے بڑی سڑک کی طرف چل پڑا۔

میں، جس نے براہ راست عدالت کی زبان سے پہلی دفعہ ایسا فیصلہ سنا اُداس ہو گیا۔ میں نے سوچا بوڑھے سقراط کی طرح اس عمر رسیدہ شخص کو سزائے موت دینے کا کیا فائدہ؟ جو زندگی کے تمام کاروبار سے ریٹائر ہو چکا ہو۔ (۱)

قدیم ادوار میں جب شخصی حکومتوں کا قیام عمل میں آرہا تھا اور حکمرانوں کو ESTABLISH ہونے میں مشکلات پیش آرہی تھیں۔ باغیوں اور حملہ آوروں کی وجہ سے اُن کا اقتدار جھٹکے کھانے لگتا تھا تو لوگوں کو اپنی حدود میں رکھنے کے لئے حکمرانوں (بادشاہوں) کا خیال تھا کہ سخت قوانین بنانے چاہیے۔ اُن کے خیال میں سخت قوانین لوگوں کو جرائم سے باز رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس طور حکومتی قانون دانوں نے عبرت ناک سزا-(DETERRENT PUNISH-MENT) کے نظریے کی بنیاد ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے قدیم ترین قوانین کے مجموعے مثلاً ضابطہ حمورابی (۲) (1785ق م) میں کئی معمولی جرائم پر بھی سزائے موت تجویز کی گئی۔ اور اپنے اقتدار کی طوالت کے مد نظر سزائے موت کو متاثر شخص کے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا جواز بنایا گیا۔ حالانکہ حقیقتاً انتقام کی

نمبر۱ سزائے موت پر عملدرآمد ہونے سے قبل 2000 [illegible] جیل [illegible] موت ہو گئی

نمبر۲ بابل (میسوپوٹیمیا۔ عراق) کا قدیم حکمران جو اپنے ضابطہ قوانین-(CODE OF HUMURA-BI) کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور جس کے مجموعے کی بنیادی خصوصیت آنکھ کے بدلے آنکھ اور جان کے بدلے جان پر ہے۔

آگ ٹھنڈی کرنے کے نظریے کو بھی خود حکمرانوں نے پروان چڑھایا اور اس کو ہر دور میں اپنے انتقام اور مفاد کے لئے استعمال کیا۔

حمورابی کی طرح قدیم یونان کے ایک اولین قانون ساز ڈریکو (690ق۔م)(جسے مغرب کا پہلا مقنن سمجھا جاتا ہے اور جسے اُس وقت کے زبانی اور روایتی قوانین جمع کرنے کا کام سونپا گیا) کے قوانین کا مجموعہ بھی اسی DETERRENT PUNISHMENT کی عکاسی کرتا ہے اور اس نے بھی اپنے ضابطے میں معمولی سے معمولی جرائم حتیٰ کہ سستی اور کاہلی (۱) کی سزا بھی موت رکھی تھی۔ اپنی ان تجویز کردہ سزاؤں کے بارے میں ڈریکو نے کہا تھا کہ خفیف جرائم پر بھی سزائے موت ضروری ہے۔ رہے بڑے جرائم تو ان کی سزا موت اس مجبوری سے مقرر کی گئی ہے کہ اس سے بڑی اور سزا ہو نہ سکتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے ان سزاؤں کی اصلیت کو جان لیا۔ اور اُن میں بے چینی پیدا ہو گئی اور آخر سولن (Solon) نے قتل انسانی کے سوا باقی تمام جرائم پر سزائے موت منسوخ کر دی۔

قدیم مصر اور فلسطین میں سزائے موت کے ان گنت قوانین بنائے گئے۔ جن میں زنا، چوری، جاسوسی، بت پرستی سے منع کرنا، گائے کو ذبح کرنا، سبت کے دن کام کرنا، بادشاہ کے خلاف سازش وغیرہ شامل تھے اور موت دینے کے طریقے خصوصی طور پر اذیت ناک تھے۔ جن میں زندہ جلانا، میخیں ٹھونک کر ہلاک کرنا، زندہ دفن کرنا، مگرمچھ کو کھلانا، کتوں کے آگے ڈالنا وغیرہ شامل تھے اور سزائے موت کے یہ قوانین اور طریقے اُس دور کے دو مقتدر طبقے بادشاہوں اور پروہتوں کے اقتدار کو تحفظ دینے کے لئے بنائے گئے تھے۔

نمبر ۱ سستی اور کاہلی پر سزائے موت کا قانون لوگوں کو بیگار دینے میں گریز کرنے کی وجہ سے بنایا گیا۔

بادشاہوں کے تحفظ کے لئے سزائیں

بادشاہ کے خلاف سازش	زندہ دفن کرنا
بادشاہ کی تابعداری سے انحراف	ہاتھ پاؤں کٹوا کر سولی پر چڑھانا
ملازم کی طرف سے نمک حرامی	دریا میں غرق کرنا
جاسوسی	قتل
فرار ہونا	ماں کا قتل

پروہتوں کے اقتدار کے تحفظ کے لئے سزائیں

بت پرستی سے منع کرنا	سنگساری
بتوں کو توڑنا	آگ میں جلانا
دین سے پھرنا	میخیں ٹھونک کر ہلاک کرنا
زنا (زانیہ کے لئے)	جلانا۔ دریا میں ڈبونا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈالنا
جادوگری(ا)	سنگساری۔ موت
چوری	قتل
والدین کا قتل	شکنجہ میں کس کر آگ میں جلانا
زنا (زانی کے لئے)	موت۔ مگرمچھ کو زندہ کھلانا
گائے کو ذبح کرنا	سنگساری

اس طرح قدیم یورپ میں بھی سزائے موت کا قانون عام تھا۔ جس کا شکار

نمبر ا جادوگری کو پروہت اپنے اقتدار کو چیلنج سمجھتے تھے۔

سر طامس مور بھی ہوا۔ ایسے جرائم جن کو آج جرائم بھی نہیں سمجھا جاتا کی سزا بھی موت تھی۔ اور یہ سزا اکثر اوقات آگ میں زندہ جلا کر دی جاتی تھی۔ اور اس سزا کا شکار فرانس کی معروف FREEDOM FIGHTER سینٹ جون آف آرک اور معروف فلسفی برونو بھی ہوا۔ جنہیں کلیسائی عدالتوں نے بے دینی کے بے بنیاد الزامات میں یہ سزائیں سنائیں۔ کیونکہ جون آف آرک فرانس میں برطانوی اقتدار اور قبضے کو چیلنج کر رہی تھی۔ جبکہ برونو اپنے فلسفیانہ اور سائنسی افکار کی بنیاد پر پوپ (کلیسا) کے اقتدار کے لئے خطرہ تھا۔

علاوہ ازیں برطانیہ اور باقی یورپ کی کلیسائی عدالتوں نے پوپ کے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لئے بے دینی اور جادوگری کے الزام میں تیرھویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی تک نو لاکھ خواتین کو زندہ آگ میں جلا کر سزائے موت دی۔ (۱) اور میتھو ہاپکنز جیسے لوگوں نے کافروں کو پکڑنے کا باقاعدہ کاروبار اپنا لیا۔ اور ہر کافرہ / جادوگرنی کے پکڑنے پر کلیسا سے انعام حاصل کیا۔ مگر جادوگری آج تک ختم نہیں ہو پائی۔ بلکہ جرم تک نہیں رہا۔

سزائے موت سے جرائم کے خاتمے کے نام پر آج بھی ترقی پذیر دنیا کے حکمران اور دیگر مقتدر طبقے لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر قوانین سازی کرتے جا رہے ہیں۔ یہ ممالک آج بھی حکمرانوں کے تیار کردہ فلسفہ قانون کے عبرت ناک سزا کے نظریے پر قائم ہیں اور بعض ممالک میں ان قوانین کو دیوتاؤں کی

نمبر ۱ یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ ماضی میں حکمرانوں کے ساتھ پروہت یا پوپ بھی بادشاہوں کے برابر یا کبھی کبھی اُن سے زیادہ مقتدر حیثیت رکھتے تھے۔ اسلئے ان کے اقتدار کو چیلنج کرنا مشکل تھا۔ چونکہ اُن کے اقتدار کی بنیاد مذہب پر تھی اس لئے مذہبی احکام کی خلاف ورزیوں پر سزائے موت مقرر کر کے پروہتوں اور پوپ کے اقتدار کو چیلنج کرنا ناممکن بنایا گیا تھا۔

تائید بھی بیان کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ماضی میں حمورابی اور سولن (بیک وقت حکمرانی اور پاپائیت کے نمائندے) کرتے آئے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ ماضی میں سزائے موت سے جرائم کا خاتمہ ہوا اور نہ آج ہو پا رہا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔

(۲)

ماضی میں اگرچہ تمام دنیا میں سزائے موت کے قوانین نافذ رہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ لوگ ان قوانین کا پس منظر اور اصلیت سمجھ رہے تھے اور اس بات کا احساس بڑھ رہا تھا کہ سزائے موت کا قانون جرائم کا خاتمہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ ایک دھوکا ہے ان کے نزدیک یہ قانون مفاد پرستانہ ، ظالمانہ اور انسانی زندگی کے احترام کے منافی ہے۔ اس لئے تاریخ کے مختلف ادوار میں حقیقی اور دیانتدار قانون دانوں اور بعض حکمرانوں نے اس میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ اس لئے ایتھنز کے معروف قانون ساز حکمران سولن (635 تا 510 ق۔م) نے معمولی معمولی جرائم پر ایتھنز ہی کے بدنام زمانہ مقنن ڈریکو (690۔ ق۔م) کے سزائے موت کے عام قوانین کو ختم کر دیا۔ اس طرح ایتھنز ہی میں 427۔ق۔م میں اسمبلی میں بحث کے دوران اُس کے ایک ممبر ڈیوڈوٹس نے کہا تھا۔ کہ سزائے موت مسائل کا حل نہیں اور اس نے اسمبلی کو اس بات پر راضی کیا۔ کہ باغی شہر میٹلین کے باغی شہریوں کو دی جانی والی سزائے موت منسوخ کر دی جائے۔

جنوبی ایشیاء میں بکرماجیت کا عہد بھی اس لئے یادگار ہے کہ وہاں سزائے موت نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ عام طور پر نرم سزاؤں کے قوانین نافذ تھے۔ جب کہ پہلی صدی عیسوی میں سری لنکا کے حکمران انند گمانی نے سرے سے اپنے ملک

میں سزائے موت کا خاتمہ کر دیا۔

سزائے موت کے خاتمے کے لئے جدید تحریک اٹلی کے ایک مفکر بکاریا (1735ء تا 1794ء) کی تحریروں سے سامنے آئی۔ جب اُس نے اپنی معروف تصنیف CRIMES AND PUNISHMENTS 1764ء میں شائع کی اس کا خیال تھا کہ اگر ملزم کو پختہ یقین ہو کہ وہ سزا سے بچ جائے گا تو شدید ترین سزا بھی اُسے جرم سے نہیں روکتی۔ جرم سے مجرم کو صرف اُس وقت روکا جا سکتا ہے جب سزا کا نفاذ یقینی ہو۔ خواہ وہ سزا معتدل ہی کیوں نہ ہو۔

بکاریا کی اس تحریک نے یورپ میں زبردست اثر ڈالا اور سزائے موت کے خاتمے کی تحریک کی بنیاد پڑی۔ جس کے نتیجے میں وہاں قوانین تبدیل ہوئے اور آج یورپ کے کئی ممالک میں سزائے موت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس تحریک کے اثرات کے نتیجے میں آج قیدیوں کے حقوق کے تحفظ کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل سزائے موت کے خاتمے کی باقاعدہ تحریک چلاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اس تنظیم کے بے شمار گروپ دنیا بھر میں اس سنگدلانہ اور بے رحمانہ سزا کے خاتمے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس تنظیم کے علاوہ تقریباً ہر ملک میں دیگر کئی تنظیمیں بھی معرض وجود میں آچکی ہیں۔ جن میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ جو دیگر انسانی حقوق کے تحفظ کے علاوہ سزائے موت کی مخالفت کرتا ہے۔

سزائے موت کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرنے والی تنظیمیں کبھی یہ نہیں کہتیں کہ مجرموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ ہر جرم کی نوعیت کے مطابق مناسب سزا دینے کو تسلیم کرتی ہیں اور صرف سزائے موت کی مخالفت کرتی ہیں۔

(۳)

سزائے موت کے اس پس منظر کے علاوہ کہ یہ سزا ماضی میں جابر مقتدر قوتوں نے بد دیانتی اور جبر کے ساتھ اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے رائج کی اور آج شخصی اقتدار کے خاتمے اور جمہوریت کے قیام کے ساتھ اس سزا کا کوئی جواز نہیں اور بھی بے شمار دوسرے علمی اور نفسیاتی حقائق ہیں۔ جن کے تحت آج اس سزا کا خاتمہ لازمی ہے۔

نفسیاتی حوالے سے جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ سزائے موت کے بارے میں عبرت ناک سزا، انسدادی سزا، یا انتقامی سزا کے جو نظریات ہیں اور جن کے تحت سزائے موت کو JUSTIFY کیا جاتا ہے۔ بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں اس لئے اگر آج کوئی شخص واقعی مجرم (۱) ہے تو اُس کو ایک نفسیاتی مریض کے طور پر دیکھنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ جس سے مجرم کی اصلاح کا نظریہ REFOR-MATIVE VIEW سامنے آیا ہے۔ اس سے مجرم کا خاتمہ کرنے کی بجائے قید کے دوران اس کی اصلاح کی جانی مقصود ہوتی ہے۔ اس نظریے کی رو سے اگر مجرم کو سزائے موت دی جائے تو اس کے ساتھ اُس کی اصلاح کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سزائے موت دیئے جانے سے مجرم یا اُس کے خاندان کے ساتھ کسی قسم کے COMPROMISE کے بھی تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کے بہترین قوانین میں ہمیشہ اس کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قصاص سے ہٹ کر دیت (خون بہا) کا حق بھی دیا

نمبر ۱ ایک جدید تحقیق کے مطابق بعض افراد میں جرائم کی وجہ GENES بھی ہو سکتے ہیں

ہے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔(ا) اس سے نہ صرف دو خاندانوں کی دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ مقتول خاندان بھی COMENSATE ہو جاتا ہے اور انسان کی جان بھی بچ جاتی ہے۔ سزائے موت پانے والے شخص کے علاوہ اس کی موت کے اثرات دیگر لوگوں پر بھی پڑتے ہیں۔ بعض اوقات سزائے موت پانے والا شخص اپنے خاندان کا واحد کفیل ہوتا ہے۔ جس کی موت سے اُس کا خاندان ذرائع آمدنی سے محروم ہو جاتا ہے اور سزائے موت پانے والے کے ورثاء کی بقایا زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ نیز اس کے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہ کر اچھے شہری بننے کی بجائے معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ پسماندہ ممالک میں ایک شخص کو سزائے موت دینے کے بعد اُس کے لاوارث بچوں کو بھیک مانگنے کے لئے سڑکوں اور گلیوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

خاندان کی معاشی تباہی کے علاوہ سزائے موت پانے والے خاندان کا ہر شخص اور دیگر تعلق داروں کو بغیر ذاتی قصور کے شرمندگی اور ذہنی صدمہ سے دوچار ہوتا پڑتا ہے۔ جس سے اُن کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور یہ روگ پوری زندگی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ علاوہ ازیں وہ اس سزا سے اپنی توہین بھی محسوس کرتے ہیں۔ جس سے اُس خاندان کے نوعمر افراد کی شخصیت کی تعمیر پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ بے شمار نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس سے وہ مجرم بھی بن سکتے ہیں اور اس بات کا خوف بھی باقی رہتا ہے کہ وہ خود انتقامی جذبے کے تحت کوئی بڑی واردات کے مرتکب نہ ہو جائیں جیسا کہ

نمبر ا سزائے موت سے اسلام کی ناپسندیدگی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ قاتل وارث کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔

عبدالکریم (۱) کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

سزائے موت سے نہ صرف ملزم کا خاندان متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ جس قید خانے میں کسی ملزم کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ نہ صرف وہاں کے قیدیوں پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ جیل کا عملہ بھی کئی دن تک اُداسی اور ذہنی دباؤ کا شکار رہتا ہے۔ برطانیہ میں سزائے موت کی بحالی کی کوشش کے دوران (جو بحال نہ ہو سکی) جب پارلیمنٹ میں بحث کا

نمبر ۱ کے۔ ایل۔ گابھا نے اپنی تصنیف (FAMOUS TRAILS FOR LOVE AND MURDERS) میں عبدالکریم نامی شخص کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ جو ہمارے عدالتی نظام کا ایک افسوس ناک پہلو ہے۔ برطانوی ہندوستان میں ایک علاقے میں پیداوار کم ہونے مگر آبیانے بڑھ جانے سے لوگوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور ڈاکے پڑنے لگے۔ پولیس نے اُنھیں دبانے کے لئے وہاں کے ایک نمبردار اور اُس کے بیٹوں کو ہونے والی وارداتوں کا سرچشمہ قرار دیا اور اس طرح نمبردار اور اُس کے تین بیٹوں کو سزائے موت دی۔ جبکہ چوتھے بیٹے عبدالکریم کو وائسرائے کی معافی کی وجہ سے رہائی ملی۔

عبدالکریم ان واقعات کا خود کردار تھا۔ اور اصل صورت حال جانتا تھا۔ وہ اپنے باپ اور تین بھائیوں کو بے گناہ تصور کرتا تھا۔ اُس نے اپنی رہائی کے بعد اُس سیشن جج کی تلاش جاری رکھی۔ جس نے اپنے فیصلے میں کہا تھا "یہ ضلع جرائم کی وجہ سے بہت بدنام ہو چکا ہے میرے خیال میں ملزم واقعی قصوروار ہیں اور پھر نمبردار کے پھانسی پانے سے دوسرے نمبرداروں کو عبرت ہو گی اور سبق حاصل کریں گے کہ آبیانہ وقت پر جمع کر کے ادا کرنا چاہیے۔ اور ڈاکوؤں کی مدد نہیں کرنی چاہیے۔۔۔۔" سیشن جج کی ریٹائرمنٹ کے بعد اُس کی تلاش کے دوران سری نگر کے پوسٹ آفس سے عبدالکریم نے سیشن جج سمتھ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا "یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہر وہ ایسے آدمی کو جس کا چہرہ مہرہ اتنا اچھا نہ لگے پھانسی پر لٹکا دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ اتنی آسانی سے بھلا دیا جاتا ہے" چند دن بعد سیشن جج سمتھ کے قتل کی ایک خبر اخبار میں چھپی۔ جسے کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا تھا۔ اور اس کی لاش کے ساتھ ایک رقعہ چھوڑا تھا جس پر درج تھا "مسٹر سمتھ! تم نے میرے باپ کو سزائے موت کی مثال کے طور پر پیش کیا کیونکہ ضلع میں جرائم بہت بڑھ گئے تھے۔ لیکن اُس دور میں بہت سے لوگ جرائم کر کے بری ہو رہے تھے۔ اسلئے میں دوسرے سیشن ججوں کو تمہاری مثال پیش کرتا ہوں۔"

آغاز ہوا تو اس سے چند دن قبل سول اینڈ پبلک سرونٹس کی جیل برانچ کے صدر نے وزیر داخلہ کے نام ایک کھلا خط شائع کرایا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ''اگر جیلوں میں دوبارہ پھانسی شروع کر دی گئی تو جیل کے ملازموں کے تعلقات خراب ہو جائیں گے اور ممکن ہے جیل کے کئی ملازمین مستعفی ہو جائیں۔ (سزائے موت کی حالی کی وجہ سے) قیدیوں کا ردعمل شدید ہوگا۔ جیل کے اندر تشدد کے واقعات عام ہو جائیں گے اور ممکن ہے بعض وکلاء اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سزائے موت کے مقدموں میں استغاثہ کی طرف سے پیش ہونا ترک کر دیں۔ ہمارا خیال ہے اس سے جیل کے اندر قرون وسطیٰ کا زمانہ لوٹ آئے گا''

سزائے موت کی وجہ سے (قدیم سوچ کے برعکس) لوگوں میں خوف اور ڈر پیدا ہونے کی بجائے بے رحمی اور سنگدلی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے جرائم میں کمی کی بجائے کئی دفعہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو امریکی ماہرین نے 1907ء سے 1963ء تک نیویارک کی ماہانہ شرح قتل کی تحقیق کی۔ اس میں تدارک کے اقدام بھی مدنظر رکھے گئے۔ انہوں نے لکھا کہ اس عرصہ میں ہر سزائے موت کے بعد ایک مہینہ کے اندر اوسطاً قتل کی دو وارداتیں زیادہ ہوئیں۔ ان کا خیال ہے کہ قتل کی وارداتوں میں وقتی اضافہ سزائے موت کے سنگدل بنانے والے اثرات کا نتیجہ ہیں۔

سزائے موت کا خوف بہت سے لوگوں کو ان کے عزائم کی تکمیل سے باز نہیں رکھ سکتا۔ نظریاتی طور پر جنونی اور خودکشی مشن پر متعین جیالے کارکن (۱)

نمبر ۱ جدید دور میں ویت نام اور سری لنکا کے گوریلوں کے علاوہ فلسطینی مجاہدوں کی مثال دی جا سکتی ہے جب کہ **قتیل** ہٹ کی سزائے موت بھی ہمارے سامنے ہے۔
مقبول

اپنی کاز کے لئے کوئی بھی عمل کر گزرتے ہیں اور انہیں موت کا ڈر اوا اپنے مقاصد کی تکمیل سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے ایسے مقامات پر سزائے موت بے معنی اور بے فائدہ ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حقیقی FREEDOM FIGHT-ER مجنونانہ دہشت پسندی کے لیبل کے تحت سزائے موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں جبکہ بعض دہشت پسند سزائے موت پاکر شہید قرار پاتے ہیں اور یوں سزائے موت اپنا جواز کھو بیٹھتی ہے۔

سزائے موت پانے والے شخص سے دیگر پیشہ ور لوگوں کا بھی ایک تعلق ہوتا ہے۔ جیسے میڈیکل ڈاکٹرز وغیرہ۔ ایک میڈیکل ڈاکٹر کو اس سلسلے میں دو مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک تو عدالت میں اس کی شہادت ہوتی ہے۔ جس سے کوئی شخص سزائے موت پاسکتا ہے۔ اور دوسرا سزائے موت پانے والے قیدی کی جسمانی اور دماغی صحت کا جائزہ لینا اور اسے طبی سہولتیں فراہم کرنا تاکہ ملزم کو پھانسی تک پہنچانے میں مدد مل سکے۔

سری لنکا میں جیل کا ایک ڈاکٹر عبدل ایچ حسین سزائے موت کے قیدیوں کا علاج کرتا تھا۔ اس کی یہ ڈیوٹی تھی کہ پھانسی سے قبل وہ قیدی کی جسمانی صحت کا اندازہ لگائے اور یہ بتائے کہ گردن اور جسم کے کسی حصے میں کوئی ایسی بیماری تو نہیں جو پھانسی میں رکاوٹ بنے۔ رسی کی لمبائی کے بارے میں جیل کے حکام کو وہی مشورہ دیتا تھا اور پھانسی کے بعد موت کا سرٹیفکیٹ بھی جاری کرتا۔ یہی چیز آج تک اُسے پریشان کرتی ہے۔ وہ شدید احساس جرم کا شکار ہے۔ اسے بار بار اس بات پر غصہ آتا ہے کہ ایک نوجوان ناتجربہ کار ڈاکٹر کو اس کام کے لئے استعمال کیا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ آج اگر اُسے اس کام کے لئے کہا جائے تو وہ اس کی بجائے جیل جانا پسند

کرے گا۔

سزائے موت کے نام پر جب حکومت خود انسانوں کو قتل کرتی ہے اور ایک لمبے اور اذیت ناک عدالتی عمل کے ذریعے اس قتل کا قانونی جواز بھی فراہم کرتی ہے تو اس سے قاتلوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انسانی زندگی کا تقدس باقی نہیں رہتا۔ اور انہیں انسانی قتل کا جواز مل جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں یا کسی قسم کی ذاتی لالچ پر انسانی جان کا خاتمہ کرتے رہتے ہیں۔

سزائے موت والے جرائم کی سماعت عدالت کے دوسرے مقدمات پر بری طرح اثرانداز ہوتی ہے۔ پریذائیڈنگ آفیسر ایسے مقدمات کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں اور تیزی(ا) سے ایسے مقدمات کی سماعت کی کوشش کرتے ہیں جس سے دوسرا عدالتی کام بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اپنی خصوصی اہمیت کی وجہ سے ان مقدمات کے بارے میں جذباتی اور سنسنی خیز کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو عدالت کے ماحول اور باہر کی فضا کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے ساتھ سزائے موت عدالتی عملہ پر منفی اثرات ڈالتی ہے اور ان میں بے رحمی، سنگدلی اور بے حسی کو جنم دیتی ہے۔ اور بعض اوقات سزائے موت دینے کے بعد بھی کچھ پریذائیڈنگ آفیسرز زبردست ذہنی کشمکش اور دباؤ کا شکار رہتے ہیں اور اس وہم میں مبتلا رہتے ہیں کہ

نمبر ا سقراط نے اپنے خلاف سزائے موت کا حکم سننے کے بعد کہا تھا "میں نے کبھی بھی کسی کو جان بوجھ کر نقصان نہ پہنچایا ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں کو اس کا یقین نہیں دلا سکا ہوں۔ کیونکہ ہمیں گفتگو (صفائی) کے لئے بہت تھوڑا وقت ملا ہے۔ اگر یہاں بھی وہی قانون ہوتا جو دوسرے ملکوں میں ہے کہ سزائے موت کے مقدمے ایک دن نہیں بلکہ کئی دن چلیں تو میں ضرور آپ کو اس امر کا یقین دلا دیتا۔ لیکن اتنے تھوڑے وقت میں اپنے خلاف اتنے بڑے جھوٹ کو دور کرنا آسان کام نہیں تھا "

کہیں یہ سزا غلط تو نہیں دے دی گئی۔

یہ بات تو طے ہے کہ ابھی تک دنیا میں غلطیوں سے قطعی پاک عدالتی کاروائی کی کوئی حتمی شکل سامنے نہیں آئی۔ اس لئے اس بات کا امکان ہر وقت رہتا ہے کہ عدالتی ضابطہ کار میں کسی غلطی کی وجہ سے کوئی بے گناہ انسان سزائے موت نہ پا جائے۔ اس لئے فرانسیسی پارلیمنٹ کے رکن لافیت نے 1830ء میں کہا تھا کہ جب تک مجھے عدالتی فیصلوں کے غلطیوں سے مبرا ہونے کا یقین نہیں دلایا جاتا۔ میں سزائے موت کی حمایت نہیں کر سکتا۔ (۱)

سزائے موت کا حکم سنائے جانے کے بعد ملزم اپیلوں (پاکستان میں اپیل کی معیاد صرف سات دن ہے جو قطعی ناکافی ہے) کے جن اذیت ناک مرحلے سے گزرتا ہے اس کا ایک غیر متعلق آدمی کے لئے اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان اپیلوں کی ناکامی کے بعد موت کے انتظار کا ایک دوسرا مگر انتہائی دردناک مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ قیدی پر موت کی دہشت طاری ہوتی ہے اور اس کے دل و دماغ پر خوف کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ایک ڈراؤنے خواب سے بدتر ہے وہ یہ تمام عرصہ

نمبر ا 1987ء کے ایک جائزے کے مطابق امریکہ میں 1900ء سے 1985ء تک ایسے 439 مقدمات کی نشاندہی کی گئی۔ جس میں بے گناہ لوگوں کو سزائے موت دی گئی۔ ان میں 23 کو موت سے ہمکنار کر دیا گیا۔ 1985ء سے 1989ء تک دو ایسے قیدیوں کو سولی پر چڑھایا گیا جو بے گناہ ہو سکتے تھے۔ وی جسپر کو فلوریڈا میں 15 جولائی 1988ء کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حالانکہ دو غیر جانبدار گواہوں کی شہادت موجود تھی۔ کہ ملزم موقع واردات پر موجود نہ تھا اس طرح ایڈورڈ اول جانس جس پر گورے پولیس افسر کے قتل کا الزام تھا کو 20 مئی 1987ء کو مس سپی میں سزائے موت دی گئی۔ ایک عینی شاہد نے جو جانس کو جانتا تھا پولیس کو بتایا کہ جانس قاتل نہیں۔ جانس نے الزام لگایا کہ پولیس نے اسے دھمکیاں دیں اور اس پر تشدد کر کے اقبالی بیان پر دستخط کرائے۔ اس بیان پر اسے سزائے موت دی گئی۔ سزا پر عمل درآمد کے بعد ایک لڑکی نے بتایا کہ وقوعہ کے وقت جانس ایک پول ہال میں اس کے ساتھ تھا۔

ذہنی کشمکش، مایوسی، اداسی اور ناامیدی میں گزارتا ہے۔ (۱)

اُسے یہ دن ایک چھوٹی سی کال کوٹھڑی میں تنہائی اور جبری بے کاری کے ساتھ گزارنے پڑتے ہیں اُسے اس تنگ کوٹھڑی میں 23 گھنٹے گزارنے ہوتے ہیں جس کا بڑا حصہ غلاظت سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ سارا وقت اپنی موت اور اس کے طریقے کے بارے میں سوچتے گزارتا ہے اور یوں سزائے موت سے پہلے قیدی کی زندگی کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

سزائے موت کے قیدی کے ساتھ سلوک بھی غیر انسانی کیا جاتا ہے کئی ممالک میں اس کے سر کے بال اور مونچھیں مونڈ دی جاتی ہیں۔ اس موقع پر شرم سے اُن کے سر جھکے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات سزا کھلے میدانوں میں دی جاتی ہے اور اُسے دیکھنے کے لئے چین میں سکول کی معصوم طالبات کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور یوں نہ صرف اُن مجرموں کی بلکہ پوری انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے۔

جرم اگرچہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے تاہم جنوبی ایشیاء میں اس کے علاوہ یہاں کا سماجی نظام جو زیادہ تر قبائلی، ذات پات اور جاگیرداری نظام پر مشتمل ہے اور اس میں افلاس، بے روزگاری اور قدیم فرسودہ روایات کا دخل ہے۔ جو جرائم کا سبب بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقامی طور پر زمینداروں اور پولیس کی ملی بھگت اور ملی لین دین بے گناہ لوگوں کو انتقامی طور پر سزائے موت کے جرائم میں ملوث کرنے کا بھی سبب بنتے ہیں۔ نیز حکومتیں کسی نہ کسی طرح اور اپنے انتظامی اور سیاسی مفادات کے تحت بھی مخالفین کو سزائے موت کے جرائم میں ملوث کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں Blind Murder میں مستغیث اپنی سابق دشمنیاں پوری کرنے

---

(۱) ستاں دال کے ناول "سرخ و سیاہ" میں ایک ایسے قیدی کی ذہنی حالت کا عکس کیا گیا ہے

کے لئے بے گناہ اشخاص کو ایف آئی آر میں نامزد کر دیتا ہے اور بعد ازاں پولیس فرضی شہادت تیار کر کے مقدمہ عدالت میں بھیج دیتی ہے۔ جس کی روشنی میں کئی بے گناہ ملزم سزائے موت پا سکتے ہیں۔

جنوبی ایشیاء میں فوجداری انصاف کا حصول بہت پیچیدہ ہے۔ خاص طور پر پاکستان میں پولیس جس کے خلاف پرچہ درج کرتی ہے اس کو اندراج پرچہ کے وقت وکیل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اس طور پولیس کی تمام کاروائی یک طرفہ یا پھر مؤثر زمینداروں اور استغاثہ کے زیر اثر چلتی ہے اور ملزم ان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ جب چالان مکمل ہو کر عدالت آتا ہے تو عدالت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اُس کو پولیس کی مقررہ کردہ حدود اور گواہان تک محدود رہ کر کاروائی مکمل کرنی ہوتی ہے۔ وہ انصاف کی خاطر از سر نو کسی قسم کی تفتیشی کاروائی نہیں کر سکتی۔ جس کی وجہ سے بہت کم ملزمان کہہ سکتے ہیں کہ اُن کو انصاف میسر آیا ہے۔

پولیس اور استغاثے کی ملی بھگت فرضی ملزمان کی شمولیت، میڈیکل سرٹیفکیٹ اور مرگ رپورٹ کی تیاری (جن میں فرضی کاروائیوں کا امکان رہتا ہے) پڑھے پڑھائے گواہان انتہائی غریب اور ان پڑھ ملزمان، عدالتوں کی اپنی مجبوریاں نیز خلقی تعصّبات کے علاوہ انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں میں مقدمات کو فوری اور تیزی سے نمٹانے کا رجحان اور سزا دینے کا رویہ از خود ظاہر کرتے ہیں کہ کتنے بے گناہ اشخاص ہونگے جو سزائے موت پا رہے ہونگے۔

میں یہاں پاکستان کے ایک معروف وکیل اور سابق وزیر قانون جناب ایس۔ ایم ظفر کی کتاب "میرے مشہور مقدمات" سے خصوصی شکریے کے ساتھ ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔

" ....فیلڈ مارشل (صدر پاکستان) محمد ایوب خان نے اس رحم کی اپیل کی فائل پر ایک نوٹ لکھا۔ کہ میں اُن سے آ کر ملوں۔ چنانچہ میں جیسے ہی اُن کی سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا تو انہوں نے مجھ سے خطاب ہو کر کہا سزاؤں کو اس طرح کم کرنے سے جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایس۔ایم ظفر : سزائے موت دینے کے باوجود جرائم میں کمی واقع نہیں ہوئی

ایوب خان : آپ سزائے موت کے خلاف دکھائی دیتے ہیں

ایس۔ایم ظفر : اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اپنے ملک کے گواہوں کی صداقت پر یقین نہیں اور مجھے تفتیش کے معیار پر بھروسہ نہیں۔

اس کے بعد ایوب خان نے دونوں بھائیوں کی سپریم کورٹ سے مسترد شدہ اپیل کے باوجود چھوٹے بھائی کی سزا میں کمی کر دی۔ اور ایس۔ایم ظفر کی طرف سے اٹھائے ہوئے ایک اہم نکتے (کہ چھوٹے بھائی نے مقتول کے مرنے کے بعد اس پر وار کیا تھا) پر ایوب خان نے فائل پر لکھا کہ یہ نکتہ سپریم کورٹ کو نوٹ کرنا چاہیے تھا۔

اسی طرح پاکستان میں بہت سے مقدمات میں دی جانے والی سزائے موت کی صحت پر شک و شبہ کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر سپریم کورٹ آف پاکستان نے 1994ء میں اپنے ایک فیصلے مقدمہ خلیل الرحمٰن بنام سرکار (P.L.D 1994 SC 885) میں لکھا ہے کہ اگر اپیلانٹ سزائے موت پا جاتا تو یہ عدالتی قتل ہوتا۔

اس کے علاوہ ہم روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ عدالت عالیہ یا عدالت عظمٰی نے ملزم کی اپیل منظور کرتے ہوئے سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ملزم کی طرف سے اپیل نہ ہوتی تو وہ ماتحت

عدالت کے غیر درست فیصلے کی بناء پر پھانسی چڑھ جاتا۔ جس طرح سلامت مسیح کیس میں ہوا۔ اگر اس مقدمہ میں ہائی کورٹ اس پر از سر نو غور نہ کرتی۔ تو دو افراد کو سزائے موت ہو جاتی جن میں ایک چودہ سالہ بچہ بھی ہوتا۔

جب انگریزوں (۱) نے صوبہ ملتان پر قبضہ کیا تو وہاں کے گورنر مول راج پر مقدمہ چلایا اور اسے سزائے موت دی۔ (لیکن لارڈ ڈلہوزی نے سزائے موت سے کالاپانی کی سزا کو زیادہ سخت سزا سمجھ کر اُسے کالاپانی میں تبدیل کر دیا) کے۔ ایل۔ گابھا کے مطابق مول راج کے مقدمہ میں بے پناہ قانونی غلطیاں کی گئیں۔ استغاثہ کے گیارہ گواہوں میں سوائے ایک کے باقی سب کے سب مفلوک الحال طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کم از کم پانچ گواہ ایسے تھے۔ جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور باقی بہت ہی معمولی کام کرتے تھے۔ اور روزی کی خاطر ایک جگہ سے دوسری

نمبر ۱ جنوبی ایشیاء میں انگریزوں کے عہد میں انصاف کا معیار زیادہ قابل رشک نہیں رہا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جن میں ایک ججوں کی تعیناتی اور رویے بھی ہو سکتے ہیں۔ تحدیث نعمت از سر ظفر اللہ خان کے مطابق "...............اُن (مسٹر جسٹس ششی ٹیک چند) کے اجلاس میں کوئی مسلمان فریق مقدمہ ہندو فریق کے خلاف کامیاب نہ ہو سکتا تھا اور آخر تک انہوں نے اس قاعدہ سے انحراف نہ کیا۔ ششی صاحب کا طریق کار یہاں تک محدود نہ تھا ان کا منصوبہ ایک مکمل منصوبہ تھا جس کے موٹے اصول یہ ہیں۔

1- اگر فریق مقدمہ ایک جانب مسلمان اور دوسری جانب غیر مسلمان ہوتا تو فیصلہ غیر مسلمان کے حق میں ہوگا۔

2- اگر فریقین مسلمان ہوں اور ایک فریق کی طرف سے ہندو وکیل ہو اور دوسرے فریق کی طرف سے مسلمان وکیل تو فیصلہ ہندو وکیل کے حق میں ہوگا۔

3- اگر دونوں فریق مسلمان ہوں اور دونوں کے وکیل بھی مسلمان ہوں تو فیصلہ اس فریق کے حق میں ہوگا جس کے وکیل کو دوسرے فریق کے وکیل کے مقابلے میں ششی صاحب کم قابلیت کا وکیل جانتے ہوں گے۔

پاکستان کا عدالتی نظام بھی ابھی تک کمزوریوں سے پوری طرح پاک نہیں۔ یہاں کئی جج صاحبان ناقص کارکردگی اور دیگر الزامات کے تحت نوکریوں سے برطرف ہوئے ہیں اور کچھ ابھی تک معطل ہیں جن میں کئی ایڈیشنل جج صاحبان بھی ہیں۔ جنہیں سزائے موت دینے کا اختیار حاصل ہے۔

جگہ مارے مارے پھرتے تھے۔ اور حالات سے بوکھلائے ہوئے تھے ایسے گواہوں کو حکومت کیلئے خریدنا یا دباؤ ڈالنا کوئی بڑی بات نہ تھی اور انہیں گواہان کی شہادت پر مول راج کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ہائی کورٹ لاہور کی طرف سے سزائے موت سنائی گئی۔ یہ مقدمہ بھٹو کے ایک سیاسی مخالف احمد رضا خان قصوری نے اپنے باپ محمد احمد خان کے قتل کے بارے میں درج کرایا تھا۔ جب کئی سال بعد جنرل ضیاء الحق نے فوجی تبدیلی کے ذریعے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ اُلٹا تو بھٹو پر اس قتل کا مقدمہ چلا۔ بھٹو کے علاوہ چار اور آدمیوں کو بھی سزائے موت دی گئی۔ اس مقدمہ کے فیصلے پر آج تک شک و شبہ کا اظہار کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اس میں کئی قانونی تقاضے پورے نہ کیئے گئے۔ مثلاً کئی دن تک بھٹو کی عدم موجودگی میں شہادت ریکارڈ کی گئی۔ (جو قانوناً ملزم کی موجودگی میں ہونی لازمی تھی) علاوہ ازیں ضابطہ فوجداری کی دفعہ 342 کے مطابق بھٹو کا بیان ریکارڈ نہ کیا گیا (جو لازماً ریکارڈ کیا جاتا تھا) جبکہ مقدمہ سیشن کورٹ کی بجائے براہ راست ہائی کورٹ میں بھیجا گیا۔ سپریم کورٹ میں اپیل کے دوران سات ججوں میں تین ججوں نے اُس کی اپیل منظور کرلی۔ (جس پر سزائے موت نہ ہونی چاہیے تھی) اور ایک جج نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ وعدہ معاف گواہ کی شہادت غیر فطری ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ تائیدی شہادت ناقص اور نامکمل ہے مگر اس کے باوجود بھٹو اور دیگر ملزمان کو سزائے موت دے دی گئی۔

ایک دوسرا مقدمہ بلوچستان کے ایک سٹوڈنٹ لیڈر حمید بلوچ کا ہے۔ جس کو جنرل ضیاء الحق کے دور میں ایک فوجی عدالت نے سزائے موت دی۔ اس

مقدمہ کے بارے میں بلوچستان ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب خدابخش مری نے اپنی کتاب A JUDGE MAY SPEAK میں لکھا ہے۔

Abdul "Abul Hameed baluch, a 21 Years old student leader from Baluchistan had been convicted for murdering a recruiting agent by a special Military Court and sentenced to death. The Baluchistan High Court had granted an order on 8 december 1980 staying his execution, because of grave iregularities in his trail and conviction. The name of the man he was charged with murdering was twice changed during the trial when the alleged victims proves to be alive. As a result of P.C.O which also prompted, The removel of Baluchistan's Chief Justic (Mr. Khuda Bakhsh Marri) the High Court's order, staying his execution was suspended and Abdul Hameed Baluch was executed in Mach jail near Quetta in June 1981. A.D."

مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمران اپنے مخالفین کے خاتمے

سر دار حسین

کے لئے کس طرح سزائے موت کا استعمال کرتے آئے ہیں(۱)اور پھانسی کے اس عمل کو لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔اس کے لئے بعض اوقات پھانسی کی سزا سرعام دی جاتی ہے۔اور لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ منظر دکھایا جاتا ہے۔پاکستان میں جنوری۔ فروری 1988ء میں پنجاب میں چار قیدیوں کو اس طرح سزا دی گئی۔(۲)

لوگوں کو مزید خوف زدہ کرنے کیلئے سزائے موت کے دوران بعض اوقات موت کے عمل کو سست کردیا جاتا ہے تاکہ مجرم کافی دیر تک تڑپتا رہے۔اس کے لئے رسی کی لمبائی یا اُس کی گانٹھ میں تبدیلی کردی جاتی ہے۔جیسا کہ پچھلے دنوں سندھ کی ایک جیل میں ملزم کو سزائے موت دیتے وقت کیا گیا اور اس پر انسانی حقوق کی تحریک کے معروف کارکن انصار برنی نے احتجاج بھی کیا۔

ایمسنٹی انٹرنیشنل کی 1989ء کی ایک رپورٹ کے مطابق سزائے موت کے لئے جرم کی نوعیت اور حالت پر زیادہ دارومدار نہیں ہوتا۔جرم اور مجرم سے ماورا، چند عوامل بھی ایسے فیصلوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ان میں معاشی حالات، علاقے کے لوگوں کا دباؤ، ملزم اور مقتول کی معاشرتی اور نسلی حیثیت اور اس علاقے کا بھی دخل ہوتا ہے جہاں واردات ہوئی۔

نمبر ۱ آخر میں چند معروف تاریخی شخصیات کی سزائے موت پانے کے ضمیمہ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح مقتدر قوتوں (حکمرانوں اور پاپائیت کے نمائندوں) نے اپنے بے گناہ مخالفین کو ان کے نظریات کی بنیاد پر جھوٹے الزامات کے تحت سزائے موت دی۔

نمبر ۲ بعض اوقات جیل میں پھانسی کی سزا کے وقت مختلف قید خانوں سے قیدیوں کو اکٹھا کر کے یہ منظر دکھایا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں فیصل آباد کے مشتاق کو کراچی میں ہزاروں قیدیوں کو موجودگی میں پھانسی دی گئی۔اس طرح سندھ میں ایک بار قیدیوں نے ایسا دوسرا منظر دیکھنے سے انکار کر دیا اور اپنی بیرکوں میں چلے گئے۔

جنوبی ایشیاء میں جہاں قبائلی، ذات پات، مذہبی نیز مقامی گروہی دشمنیاں ابھی مؤثر ہیں اور یہ دشمنیاں پولیس، عدالتوں اور حکومت پر بھی دباؤ ڈال سکتی ہیں۔ تو پھر بدنیتی سے کسی بڑے جرم میں ملوث بے گناہ (۱) مگر مفلس شخص (جس کے پاس اچھا وکیل کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جبکہ مخالف فریق اچھا وکیل کر سکتا ہے) کس طرح سزائے موت سے بچ سکتا ہے۔ خواہ وہ اپنی تمام جمع پونجی کے ساتھ انصاف کے لئے دوڑتا پھرے۔ اس کا مقدر بالآخر پھانسی اور اس کے خاندان کی قسمت میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(۴)

سزائے موت کے خاتمے کا مطالبہ صرف اس بنا پر نہیں کیا جاتا کہ اس ظالمانہ اور غیر انسانی سزا سے جرائم کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ یا اس سے بے گناہ انسان بھی پھانسی چڑھ جاتے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس بے رحمانہ سزا کی وجہ سے ماضی میں مقتدر طبقے نے عوام پر جو مظالم ڈھائے اور ان مظالم سے حکمرانوں اور رعایا کے درمیان بداعتمادی اور کشیدگی کی جو کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس کے خاتمے میں بھی مدد ملے گی اور حکومتوں اور عوام کے درمیان اعتماد کی فضا پیدا ہو گی۔ جو آج کے جمہوری دور کے لئے ایک لازمی عنصر ہے اور جس سے GOOD GOVERNANCE کے امکانات روشن ہوں گے۔

نمبر ۱ میں اپنی وکالت کے دوران ایسے ملزموں کو جانتا ہوں جنہیں پولیس نے اندھے قتلوں میں Extra Judicial Confessions کے ذریعے پھنسایا۔

1- مقدمہ نمبر 287/99 سرکار بنام اسحاق وغیرہ تھانہ محمد پور تحصیل جام پور

2- مقدمہ نمبر 101/99 سرکار بنام خدا بخش تھانہ ہڑند تحصیل جام پور

سزائے موت کے خاتمے سے لوگوں میں دہشت، خوف سنگدلی اور بے رحمی کی فضا بھی ختم ہوگی اور ان میں اپنے تحفظ کا احساس پیدا ہوگا اور انہیں اپنے زندہ رہنے کا ایک نیا جذبہ اور عزم نصیب ہوگا اور یہ حکمرانوں اور عوام دونوں کے لئے مفید ہوگا۔

سزائے موت کے خاتمے سے حکمرانوں اور عوام کے رویوں میں شائستگی آئے گی اور بد اعتمادی کی فضا کے خاتمے کی وجہ سے دو طرفہ تشدد بھی کم ہوگا۔ جس سے ملک میں دہشت پسندانہ کارروائیوں کے خاتمے میں مدد ملے گی اور اس طرح جرائم میں کمی ہوگی اور پر امن سوسائٹی کی راہ ہموار ہوگی۔

علاوہ ازیں سزائے موت کے خاتمے سے حکومت اور عوام کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا بھی خاتمہ ہوگا۔ اس طرح سزائے موت کا خاتمہ کسی ایک فرد کے نہیں بلکہ پوری سوسائٹی کے مفاد میں ہے۔

(۵)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے انصاف کا عمل بہت پیچیدہ ہے۔ اس لئے کسی کو سزائے موت دیتے وقت یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ انصاف کے تمام تقاضے پورے کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے ان حالات میں مناسب ہے کہ سرے سے سزائے موت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جیسا کہ دنیا کے بہت سے ممالک میں کر دیا گیا ہے۔(۱)

جنوبی ایشیاء میں سزائے موت کے خاتمے کے لئے ان ممالک کے دساتیر میں اس طرح کی ترامیم کی جاسکتی ہیں کہ آئندہ ان ممالک میں کسی بھی جرم پر

نمبر ۱ ان ممالک کی فہرست آخر میں دی جارہی ہے۔

سزائے موت نہ دی جائے گی۔ اور جن جرائم پر سزائے موت مقرر ہے اس کو عمر قید میں تبدیل سمجھا جائے گا۔ تاہم اگر اس سزا کے فوری خاتمے کی گنجائش موجود نہ ہو تو اس کے بتدریج خاتمے کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جائے جو اس سزا کے خاتمے کے لئے دساتیر میں ترامیم یا کسی آرڈیننس کی تیاری میں مدد دے۔ جب تک کمیشن اپنی رپورٹ پیش نہیں کرتا اس طرح کے صدارتی احکامات جاری کئے جاسکتے ہیں۔

1- سزائے موت کے خلاف رحم کی اپیل کو صدر مملکت منظور فرماتے ہوئے اسے عمر قید میں تبدیل کردیں گے۔

2- کسی عورت (ا) ~~پاگل~~ فاطرالعقل، 65 سالہ بوڑھے اور اٹھارہ سال سے کم عمر بچے کو سزائے موت نہ دی جائے گی۔

3- ایسے مقدمات جن میں سزائے موت ہو سکتی ہے کسی خصوصی عدالت میں نہ بھیجے جائیں گے۔ بلکہ عام سیشن کورٹ میں زیر سماعت ہوں گے۔ جن کی سماعت بیک وقت دو جج صاحبان کریں گے۔ اور سزائے موت کے بارے میں ان کا فیصلہ متفقہ ہونا لازمی ہوگا۔ جس کی بعد ازاں ہائی کورٹ کے فل بنچ سے CONFIRMATION لینا ضروری ہوگا۔ علاوہ ازیں سیشن کورٹ میں پہلے کی طرح جیوری یا اسیسرز کو شامل کیا جائے گا۔

نمبر ا ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایران میں ایک عینی شاہد کے حوالے سے بتایا ہے کہ ٹرک میں پتھر اور سنگریزے لاکر ایک سنسان جگہ پر جمع کئے گئے۔ پھر دو عورتوں کو اس جگہ لایا گیا۔ وہ سفید لبادوں میں لپٹی ہوئی تھیں اور ان کے سر سفید غلافوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان پر پتھروں کی بارش شروع کردی گئی اور وہ عورتیں سرخ گٹھڑیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ جب وہ زمین پر گر گئیں تو پاسداران نے مار مار کر ان کے سر کچل دیئے۔ تاکہ وہ مر جائیں۔

4- ایسے مقدمات جن میں سزائے موت ہو سکتی ہے۔ تھانہ میں مقامی مجسٹریٹ کی نگرانی میں درج کیے جائیں گے اور ملزم کو تھانے کی سطح پر وکیل کرنے۔ استغاثہ پر جرح کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کا حق ہوگا۔ یہ تمام کاروائی مجسٹریٹ کی نگرانی میں ہوگی۔ تاہم عدالت میں چالان آنے کے بعد ملزم کو قانون کے مطابق تفصیلی طور پر دوبارہ یہ سہولتیں حاصل ہوں گی۔

5- ایسے جرم میں جس کی سزا موت ہو سکتی ہے۔ مجرم کی طرف سے پیروی کرنے کا اہل وہ وکیل ہوگا۔ جس نے سیشن کورٹ میں دس سال تک فوجداری مقدمات کی پیروی کی ہو۔

6- کسی بھی شخص کو جرم کے سلسلے میں کسی ایسے ملک کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ جہاں اُس جرم میں اُس کو سزائے موت ہو سکتی ہے۔

7- بر سر عام یا قیدیوں کی موجودگی میں سزائے موت پر فوراً عمل منسوخ کر دینا چاہیے (جن کی رحم کی اپیلیں مسترد ہو چکی ہوں)

ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

مختصر تعارف	کس طریقے سے سزائے موت ہوئی	الزام جس پر سزائے موت ہوئی	کب سزائے موت ہوئی	نام شخصیت
ایتھنز کا معروف فلسفی۔ جس نے نوجوانوں میں سچائی کا شعور پیدا کیا اور نئی حکومت کی مخالفت کی اور سیاسی بنیادوں پر مذہبی الزامات کے تحت سزائے موت پائی۔	زہر کا پیالا پلایا گیا	زیوس دیوتا کی مخالفت اور نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا الزام	379 ق۔م	سقراط (یونان)
معروف رسول جن پر انجیل مقدس نازل ہوئی۔	مبینہ طور پر صلیب دی گئی	یہودی علماء کے اعمال پر تنقید کرنے کا الزام [illegible]	1۔ سن عیسوی	حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یہودیوں اور عیسائیوں کے مطابق صلیب پائی مگر قرآن مقدس اس کی تردید کرتا ہے) فلسطین
کاغذ کا موجد۔ بادشاہ کے عتاب کا شکار ہوا۔	زہر کا پیالا پیا	حکومت کے خلاف سازش کرنے کا الزام	105 عیسوی کے قریب	تسائی لون (چین)
ایران کا ایک مذہبی مفکر اور مانی مذہب کا بانی	زندہ کھال کھینچ کر ہلاک کیا گیا	اپنے نئے دین اور عقائد پھیلانے کا الزام	276ء	مانی (ایران)
دنیا کی پہلی ریاضی دان اور ماہر فلکیات خاتون۔ جامعہ سکندریہ کی پروفیسر	برہنہ کر کے جسم کے ٹکڑے کر کے ہلاک کر دی گئی	~~بے دینی کے الزامات~~ دینے [illegible]	415ء	ہائی پاشیا (سکندریہ) (یونان)
عظیم مذہبی مفکر اور مزدک مذہب کا بانی نیز اشتراکیت کا اولین نمائندہ	قتل کر دیا گیا	اپنے مذہبی خیالات کی بنیاد پر	[illegible]	مزدک (ایران)

[illegible]

نام شخصیت	کب سزائے موت ہوئی	الزام جس پر سزائے موت ہوئی	کس طریقے سے سزائے موت ہوئی	مختصر تعارف
حسین بن منصور حلاج (ایران)	921ء	مذہبی اعتقادات اور مبینہ طور پر نظریہ حلول کا الزام	سولی پر لٹکا کر پتھر مار مار کر ہلاک کیا گیا	معروف صوفی جس نے اناالحق کا نظریہ دیا۔ معروف کتاب الطواسین کا مصنف۔ صوفیا کے نزدیک اس کا بڑا مقام ہے خواجہ فرید کے مطابق بے شک بن استاد لیس وے لن عرش تے منصور
شہاب الدین سہروردی (ایران)	1191ء	جدید مذہبی خیالات کی وجہ سے	قتل کیا گیا	معروف مسلمان عالم دین اور فلسفی۔ اتحاد مذاہب کے نظریے کی بات کی اور کتابیں تحریر کی۔ صلاح الدین ایوبی نے سزائے موت دی۔
جان ہُس (چیکوسلوواکیہ)	1415ء	اپنے جدید خیالات سے توبہ نہ کرنے پر	زندہ جلایا گیا	معروف ماہر تعلیم اور پریگ یونیورسٹی کا وائس چانسلر
جون آف آرک (فرانس)	1431ء	بے دین اور جادوگرنی ہونے کا الزام	زندہ آگ میں جلایا گیا	فرانس کی معروف حریت پسند خاتون رہنما۔ جس نے فرانس پر برطانوی قبضے کو چیلنج کیا۔ مگر احتسابی کلیسائی عدالت سے سزا پائی۔

نام شخصیت	کب سزائے موت ہوئی	الزام جس پر سزائے موت ہوئی	کس طریقے سے سزائے موت ہوئی	مختصر تعارف
سر طامس مور (برطانیہ)	1535ء	رشوت اور خیانت کا الزام	گلا کاٹا گیا	نامور اہل قلم اور شاعر۔ معروف کتاب "یوٹوپیا" کا مصنف۔ بادشاہ کا مشیر نئے ایکٹ جس میں بادشاہ کو چرچ کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا کی مخالفت کی بناء پر بادشاہ کے غصے کا شکار ہوا۔
ٹامس کرامویل (برطانیہ)	1540ء	بادشاہ سے غداری کا الزام	پھانسی دی گئی	ہنری ہشتم بادشاہ برطانیہ کا مشیر، بائبل کا انگریزی میں ترجمہ کرایا۔ بادشاہ کو ایک عورت سے شادی کرنے کا مشورہ دیا جو بادشاہ کو پسند نہ آئی اور غداری کے الزام پر سزا ہوئی۔
برونو (اٹلی)	1600ء	بے دینی کا الزام	زندہ آگ میں جلایا گیا	معروف فلسفی اور جدید سائنسی سوچ کا علمبردار۔ جس سے کلیسا ناراض ہوا۔ اور اذیت ناک سزائے موت تجویز کی۔
دارا شکوہ (ہندوستان)	1659ء	مذہبی اعتقادات کی بنا پر اسکے حکمران بھائی اورنگ زیب نے مرتد قرار دیا۔	قتل کیا گیا	اورنگ زیب عالمگیر کا بڑا بھائی اور تخت کا حقیقی وارث۔ اقتدار کی جنگ میں شکست کھائی۔ عالم فاضل اور صوفی منش انسان اور کئی کتابوں کا

نام شخصیت	کب سزائے موت ہوئی	الزام جس پر سزائے موت ہوئی	کس طریقے سے سزائے موت ہوئی	مختصر تعارف
				مصنف۔ جن میں سفینۃ الاولیا اور سکینۃ الاولیا معروف ہیں۔اس نے اپنی اہم ترین کتاب " مجمع البحرین "میں وحدت ادیان کا تصور پیش کیا۔
سرمد شہید (ہندوستان)	1660 ء	بے دینی کاالزام	قتل کیا گیا	معروف صوفی اور فارسی شاعر۔ داراشکوہ کی دوستی اور حمایت کی تائید میں قاضی کی عدالت سے کفر کے الزام میں سزا پائی۔
وان ڈین اینڈے (نیدرلینڈز)	1764ء	آزاد خیالی پر مشتمل مذہبی خیالات کاالزام	قتل کیا گیا	معروف عالم لسانیات۔ مشہور فلسفی سپائی نوزا کا استاد۔ فرانس کے شاہ لوئی چہارم دہم نے سزائے موت دی۔
محمد علی باب (ایران)	1850ء	اپنے مذہبی خیالات کی بنا پر	صلیب پر لٹکا کر گولیوں سے بھون دیا گیا۔	بابی مذہب کابانی۔ جس کی پیروی میں بہائی مذہب کی بنیاد پڑی۔
بھگت سنگھ (ہندوستان)	1929ء	دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا الزام	پھانسی دی گئی	برطانوی ہندوستان کا انقلابی سیاسی کارکن

اُسے اور ... خان قصوری کے والد [illegible]

نام شخصیت	کب سزائے موت ہوئی	الزام جس پر سزائے موت ہوئی	کس طریقے سے سزائے موت ہوئی	مختصر تعارف
ذوالفقار علی بھٹو (پاکستان)	1979ء	اپنے ایک سیاسی مخالف کو قتل کرانے کا الزام	پھانسی دی گئی	پاکستان کا سابق وزیراعظم، پاکستان پیپلز پارٹی کا بانی۔ جنرل ضیاء الحق نے فوج کے ذریعے اسکی منتخب حکومت کا الیکشن کی دھاندلی کے الزام پر تختہ الٹا۔ اور قتل کا مقدمہ چلا کر سزائے موت دی۔
محمود محمد طہٰ (سوڈان)	1985ء	تخریبی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا الزام	سرعام پھانسی دی گئی	معروف مذہبی اور سیاسی جماعت اخوان المسلمین کا رہنما، سیاست دان۔ عالم دین۔
چاؤشسکو (رومانیہ)	1990ء	مختلف سیاسی جرائم کے الزامات	گولیوں سے اڑا دیا گیا۔	رومانیہ کا سابق کمیونسٹ صدر جس کی کمیونسٹ حکومت ختم کر کے اسے سزائے موت دے دی گئی
عبداللہ ابن زبیر			تین دن تک سولی پر لٹکتی رہی۔ اس کی والدہ جو (اسماء؟) حضرت ابوبکر کی بیٹی تھی نے کہا۔ کہ ابھی نوجوان گھوڑے سے نہیں اترا	

موت آتی ہے پر نہیں آتی

وہ خوش قسمت ممالک جہاں کے باشندوں کو موت سزائے موت کے طور نہیں آتی۔ کیونکہ یہاں سزائے موت دینے کا کوئی قانون ہی نہیں۔(۱)

1- آسٹریا
2- آسٹریلیا
3- آئس لینڈ
4- اکویڈور
5- پانامہ
6- پرتگال
7- توالو
8- جرمنی
9- ڈنمارک
10- ڈومینکن ری پبلک
11- سالومن آئی لینڈ
12- سان مرینو
13- سویڈن
14- فرانس
~~15- فلپائن~~
16- فن لینڈ
17- کوسٹاریکا
18- کولمبیا
19- کیپ وردی
20- کیری باتی
21- لائکنش ٹیسٹائن
22- لکسمبرگ
23- مارشل آئی لینڈز
24- ماناکو
25- مائیکرونیسا
26- ناروے
27- نکاراگوا
28- نیدرلینڈز
29- وانوتو
30- ویٹی گن
31- وینزویلا
32- ہونڈوراس
33- ہیٹی
34- یورگوائے

نمبر ۱: ان ممالک کے علاوہ اٹھارہ ممالک ایسے ہیں جن میں سوائے جنگی جرائم اور فوجی قوانین کے عام جرائم پر سزائے موت کا قانون نہیں اور ان ممالک میں 1979ء کے بعد کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی۔ علاوہ ازیں 40 سے زائد ممالک ایسے ہیں جہاں اٹھارہ سال سے کم عمر آدمی کو سزائے موت دینے پر پابندی ہے۔

کتابیات

1- مشاہیر یونان وروما از پلوٹارک (اردو ترجمہ)

2- ضابطہ حمورابی (اردو ترجمہ) مالک رام

3- داستان فلسفہ (اردو ترجمہ) از ول ڈیورانٹ فکشن ہاؤس۔ لاہور

4- تاریخ عالم پر ایک نظر از جواہر لال نہرو تخلیقات۔ اکرم آرکیڈ ٹمپل روڈ۔ لاہور

5- تاریخ جرم وسزا (جلد دوم وسوم) از امداد صابری 1945ء چوڑی والاں۔ دہلی

6- عدلیہ کا بحران (اردو ترجمہ) از ٹی ڈبلیو راجہ رتنم کلاسیک۔ لاہور

7- میرے مشہور مقدمات ایس۔ ایم ظفر جنگ پبلشرز۔ لاہور

8- قتل اور محبت (اردو ترجمہ) از کے۔ ایل گابا مقبول اکیڈمی شاہراہ قائداعظم۔ لاہور

9- قدیم علوم اور جدید تہذیب (اردو ترجمہ) از جارج سارٹن شیش محل کتاب گھر لاہور

10- دنیا کی عظیم کتابیں (اردو ترجمہ) از رابرٹ بی ڈاؤنز دوست ایسوی ایشن۔ لاہور

11- جب حکومت قتل کرتی ہے (ترجمہ) مسعود اشعر رہتاس بکس احمد چیمبرز 5۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور

12- روس۔ انقلاب سے رد انقلاب تک (اردو ترجمہ) از ٹیڈ گرانٹ طبقاتی جدوجہد پبلیکیشنز۔ لاہور

13- سقراط از منصور الحمید دارالتذکیر حمید سنٹر۔ لاہور

14- روزنامہ پاکستان لاہور 26 مارچ 1995ء

15- ماہنامہ بلوچی دنیا ملتان جولائی 1988ء

16- A MIND TO CRIME, By : Ann Moir & David Jessel Penguin Books Ltd. 27 wrights Lane, London

17- Encyclopidia of Religon and Ethics

18- A Judge may Speak By: Khuda Bakhsh Marri Feroz Sons, Lahore

"—— اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو سزائے موت دے دینے سے آپ کسی کو اپنی غلط کار زندگی کے بڑھنے سے روک سکتے ہیں تو یہ انتہائی غلط ہے۔ کیونکہ یہ راہ فرار نہ ممکن ہے۔ اور نہ مناسب۔ لیکن دوسرا راستہ آسان بھی ہے اور قابل عزت بھی۔ کہ آپ دوسروں کی زندگیوں کے چراغ گل کرنے کی بجائے اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش کریں ——"

سقراط